بینش فاطمہ
لیکچرار، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
نازیہ کنول
پی ایچ۔ڈی اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مراثی انیس کی جمالیاتی جہات۔ایک جائزہ

Aesthetic sense of Mairasi Aness, Acritical Analysis

This poem written to commemorate the martyrdom of Hazrat Imam Hussain (R.A) and the battle of Karbala is called Marsiya. The Marsia will only have a deeper meaning as long as its words are attractive and developed. Meer Anis excels in aesthetic the same when it comes to contribue in this genre.He has been compared with Shakespeare.Shakespeare creates imaginary plots and characters so beautifully that they appear real to the reader; Anis narrates events and characters fossilized in history so vividly that they become alive in the eyes of his audience. His contribution in the genre of Marisa is a great example for his predecessors and he excels in his unique style of writing.

Key words: Commemorate Martyrdom, Marsiya, Deeper, Attractive, Developed, Contribute.

اردو ادب میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی کی شہادت کے سوز و غم میں کہی جانے والی نظم کو مرثیہ کہاجاتاہے۔ لغوی طور پر ”مرثیہ“ کسی کی موت پر رونے، غم منانے اور مرنے والے کے اوصاف بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے مرثیہ ایسی نظم کو بھی کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے مرنے پر اپنے جذبات غم کا اظہار کرتا ہے اور مرحوم کی خوبیوں کا تذکرہ کرکے اس کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ مرثیہ کی صنف کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی اور ترتیب قوافی کی بھی کوئی مخصوص شرط نہیں۔ مثنوی، قصیدہ، رباعی، مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند غرض یہ کہ شاعر جس ہیت میں بھی مرثیہ لکھنا چاہے، لکھ سکتاہے۔ لیکن اردو شاعری میں مرثیہ نگاری کا ایک خاص مقصد ہے جس میں مرثیہ نگار شہدائے کربلا اوران کے واقعات بیان کرتا ہے۔ ”مرثیہ“ کا نام اس کے موضوع کی

مناسبت سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں دیگر اصناف شاعری کی نسبت ہیئت کی کوئی پابندی نہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"مرثیہ معنی اعتبار سے ایک جداگانہ صنف سخن خیال کی جاتی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے اس کا شمار اصناف شعر میں نہ ہونا چاہیے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی کی طرح مرثیہ کی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔ کسی وزن کی بحر اور کسی شکل میں بھی مرثیہ کہا جاسکتا ہے۔ اردو میں اگرچہ زیادہ مرثیے مسدس اور مثنوی کی شکل میں ملتے ہیں۔"(۱)

بعض لوگ مرثیے کو صنف سخن نہیں مانتے بلکہ اسے شاعری کا ایک مخصوص موضوع سمجھتے ہیں۔ کیونکہ مرثیہ میں "ہیئت" کی پابندی نہیں۔ مگر ہم اردو مرثیہ کو دنیا کے عظیم ادب سے خارج نہیں کرسکتے۔ مرثیہ نہ صرف داخلی احساسات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے بلکہ اردو مرثیوں کے بعض حصے بے حد موثر اور ڈرامائی نہیں۔ مولانا سروری لکھتے ہیں:

مرثیے دو طرح کے لکھے جاسکتے ہیں داخلی اور خارجی، مرثیے میں مرحوم کے اوصاف، کردار اور افعال کے بیان پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے یا ان سے متاثر ہو کر شاعر خود اپنے رنج اور غم کے جذبات ظاہر کرسکتا ہے۔ اردو میں جتنے بھی بلند پایہ مرثیے لکھے گئے جو وہ مخلوط نوعیت کے ہیں یعنی ان میں متذکرہ بالا دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔(۲)

مرثیہ کے موضوع کو وسعت دینے میں رزمیہ عناصر کا بھی عمل دخل ہے۔ اردو میں مرثیہ واحد صنف سخن ہے جس میں رزمیہ کے کئی عناصر موجود ہیں۔ رزمیہ کے مضامین یعنی جنگ کی تیاری، تلاطم خیزی، ہنگامہ آرائی، شور و غل، نقادوں اور طبل کی گونج، ٹاپوں کی آواز، ہتھیاروں کی جھنکار، تلواروں کی چمک دمک، لڑائی کے داؤ پیچ اور جنگ کے سازوسامان کی تصویر کشی ہیں۔ رزمیہ کے ان عناصر میں سفر کی صعوبتیں، گرمی کی شدت، قید و بند کے مصائب، بھوک پیاس اور خیموں میں قیام پذیری کے حالات و واقعات شامل کر دیئے جائیں تو مرثیہ محض نفرت و محبت، غضب و مسروت، احساس و قربانی اور ضبط و تحمل کے جذبات تک محدود نہیں رہ جاتا بلکہ رزمیہ کے عناصر کی بدولت اس میں خارجی زندگی کے بے شمار ایسے پہلو پیدا ہو جاتے ہیں جو مرثیہ کے موضوع کو ہمہ گیر و آفاقی بنا دیتے ہیں۔ مگر مرثیہ میں رزمیہ کے ان عناصر کی وجہ سے مرثیہ کو رزمیہ کا مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مرثیہ نہ تو تمام تر رزمیہ ہے اور نہ ہی بالکل حزینہ بلکہ ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں بعض اجزا حزینہ اور بعض

رزمیہ کے پائے جاتے ہیں۔مرثیہ بھی رزمیہ کی طرح اعلیٰ کردار اور عظیم اعمال کی محاکات لفظی پیش کرتا ہے۔حزنیہ نگار اور رزمیہ نگار کے مانند مرثیہ نگار کا موضوع بھی بیانیہ ہے۔رزمیہ کے لیے تخیل کی بلند پردازی اور پاکیزہ وجدان کی صورت بتائی گئی ہے۔وہ ہمارے مرثیہ نگاروں میں موجود ہے۔

میر انیس کا شمار برصغیر پاک وہند کے عظیم شعرائے کرام میں ہوتا ہے۔مرثیہ نگاری کے فن میں انہیں جو ملکہ حاصل ہے وہ کسی شاعر کو حاصل نہیں۔انیس جس عہد میں پیدا ہوئے وہ اردو ادب کا درخشاں دور ہے۔میر درد، مصحفی، آتش،ناسخ،مومن،ذوق،اور غالب کا زمانہ میر انیس کا ماضی وحال ہے۔وہ ایک خوش مزاج آدمی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت حساس تھی۔ان کی نازک مزاجی اس وقت بڑھ جاتی تھی جب وہ منبر پر بیٹھے ہوئے اپنا کلام پڑھ رہے ہوتے تھے۔اس وقت ان پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنے کلام میں کھو جاتے تھے۔وہ اپنے کسی ہم عصر شاعر کے کلام پر کبھی اعتراض نہ کرتے تھے۔وہ اپنے کمال میں مست رہتے تھے اور اس سب کو عطیہ خداوندی سمجھتے تھے۔وہ اپنے کمال شاعری سے زیادہ مداحی امام حسینؓ پر ناز کرتے تھے اور اپنے کمال کو اس مداحی کا فیض سمجھتے تھے۔

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مداح امام نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا یہ شرف تری غلامی کا ہے

ڈاکٹر فرمان فتح پوری میر انیس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میر انیس مزجاً شیعہ تھے۔لیکن سارے تذکرہ نگار اس امر میں متفق ہیں کہ ان کے مزاج میں غلو نام کو نہ تھا۔انھوں نے ہزار مرثیے لکھے اور سینکڑوں مجلسیں پڑھیں لیکن ان کی زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جو کسی غیر شیعہ کی دل آزاری کا باعث ہو۔یہی وہ اوصاف تھے جس کے سبب میر انیس کے کلام میں ایک طرف پاکیزگی ولطافت طبع کے آثار پیدا ہوئے اور دوسری طرف عقائد کی سطح سے بلند ہو کر ہر فرقے اور ہر طبقے میں انہیں مقبولیت حاصل ہوئی۔"(۳)

مرثیہ کے بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ مرثیہ اپنے مزاج کے اعتبار سے قصیدہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قصائد میں زندوں کی تعریف کی جاتی ہے جب کہ مرثیہ میں مرنے والوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ میر انیس کی مرثیہ نگاری میں جو عنصر سب سے منفرد اور قابل ستائش ہے، وہ ان کا جمالیاتی اسلوب ہے۔ انھوں نے مسدس بہت کو عروج تک پہنچا دیا۔ ان کے جمالیاتی اسلوب کی جامعیت اور انفرادیت ان کے مرثیوں میں جا بجا بکھری پڑی ہے۔ انیس کے جمالیاتی احساس کے حوالے سے سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> ”انیس کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف کے رمز سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنا دیا، جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، ڈراما، داستان سب ہی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود صنف سخن کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔“(۴)

مرثیہ میں مسدس کی شکل ہندوستان میں رائج ہوئی۔ انیس تک پہنچتے پہنچتے مسدس کافی منجھ چکا تھا۔ میر انیس نے اپنے جمالیاتی احساس سے اپنے مرثیوں میں مسدس ہیئت کو برت کر اسے فنی پختگی کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اسلوبیاتی خصوصیات معنیاتی خصوصیات کی مظہر ہیں۔ انیس نے بے شمار مرثیے لکھے کسی نے دس ہزار مرثیے اور کسی نے ڈھائی لاکھ اشعار کی تعداد بتائی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں قیاس پر مبنی ہیں۔ میر انیس کے مرثیے چار جلدوں میں مطبع نول کشور سے ابتداً شائع ہوئے۔ ان میں صرف ایک سو سے زائد مرثیے بنتے ہیں۔ میر انیس کا غیر مطبوعہ کلام پروفیسر مسعود رضوی ادیب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ ان کے مرثیوں کی تعداد سے قطع نظر ان کے جمالیاتی احساس نے نت نئے اظہاری پیرائے وضع کیے۔ ہزاروں روایتی الفاظ اور تراکیب کو صدیوں پرانے مفاہیم سے ہٹ کر نیا معنیاتی نظام متعارف کرایا اور انھوں نے اپنے فن اور جمالیاتی احساس سے نئے معانی تخلیق کیے۔ نظریاتی یا موضوعاتی تنقید ان کے جمالیاتی اسلوب کی گہرائیوں کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ یہ حسن کاری اور معنی آفرینی انیس کے جمالیاتی احساس کا ہی خاصہ ہے۔ ان کے اسلوب میں حسن کا شعور اپنے بھرپور انداز میں ملتا ہے۔ مناظر فطرت کی منظر کشی ہو یا کرداروں کی مکالمہ نگاری، میر انیس کے جمالیاتی احساس کی گل کاری میں کہیں بھی معنوی پن کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کا یہی جمالیاتی شعور ان کے فن میں حسن و صداقت کا تلازمہ ہے۔ جس نے ان کے مرثیوں کو لافانی بنا دیا۔ ان کا کلام بہترین شاعری کا نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں وہ کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتیں۔ جب شاعری میں حسن کا سوال آتا ہے تو نفس مضمون سے کہیں زیادہ طرز ادا اور خیال سے کہیں زیادہ الفاظ کو اہم خیال کیا جاتا ہے۔ جب ہم انیس کے کلام میں موجود جمالیاتی عناصر کا

تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا انداز بیان دیگر شعرا سے یگانہ ہے۔ اگر انیس کو اردو مرثیہ اور عصری رجحانات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کامیابی اور فن کاری ان کے اسلوب بیان میں مضمر ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کس موقع کی مناسبت سے کس قسم کا انداز بہتر ہے۔ڈاکٹر حسن اختر ان کے فن کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

> ”انیس اپنے انداز کو بہتر بنانے کے لیے اور موقع و محل کی مناسب تصویر کشی کے لیے تمام شاعرانہ ذرائع سے کام لیتے ہیں۔ انھوں نے تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مترنم الفاظ، مناسب بحروں اور صنائع وبدائع کو بے دریغ استعمال کیا ہے۔ مگر تشبیہ کا استعمال ان کے ہاں سب سے زیادہ ہے۔ انہیں الفاظ پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ ان کا ذخیرہ الفاظ بھی کافی وسیع ہے۔“(۵)

جب ہم میر انیس کے مرثیوں کا بنظر غائر جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیس نے مختلف پابندیوں میں رہتے ہوئے بھی اپنے فن کا لوہا منوایا۔ ان کے مرثیوں کے جمالیاتی عناصر حسن وصداقت کا خوب امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان میں کردار نگاری ہو یا مکالمہ نگاری، واقعہ نگاری ہو یا جذبات نگاری، ان کے یہ جمالیاتی عناصر ادب کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی کردار نگاری کے بارے میں دو آراء نہیں ہو سکتیں۔انھوں نے سیرت اور جذبات کی جو مرقع کشی کی ہے، اس سے اردو شاعری کا دامن پہلے بھی خالی تھا اور بعد میں بھی۔ انیس کے جمالیاتی فن نے کرداروں کی نفسیات کو پرکھا اور اس کے بعد حقیقی روپ میں پیش کیا۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ”کردار نگاری اور کردار نگاری کی نفسیات کی تہوں میں اتر کر کیچڑ اور موتی کھنگالنا بڑی عمدہ اور اہم چیز ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کردار نگاری اور بیانیہ ہم معنی نہیں ہیں اور نہ ہی کردار نگاری بیانیہ کی قدیم روایت کا حصہ ہے۔“(۶)

میر انیس نے ایسے بلیغ انداز میں کردار نگاری کی کہ اہل بیعت کے عالی شان اور ذی قدر افراد اور ان کے جاں نثاروں کی مختلف انداز میں عکاسی کرنے کے علاوہ شمشیر سید الشہداء، فرس سید الشہدا اور خیمہ سید الشہداء کو بھی خیال آفریں کردار بنا دیا۔ ہندوستانی تہذیب کا اثر انیس کے یہاں مرد کرداروں میں بھی ملتا ہے۔ مگر اس کی زیادہ گہری چھاپ نسوانی کرداروں پر دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً

فرما کے الوداع اٹھا دلبر حسن
برہم ہوئی وہ بزم، وہ محبت، وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لٹ گئی اک رات کی دلہن
اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیوں زن بیوہ کی لال کی

قاسم کا دلہن سے رخصت کا سماں دیکھئے، یہ خالص لکھنو کی دلہن کی تصویر ہے:

خاموش تھی گھونگھٹ میں دلہن صورت تصویر
دولھا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
تصویر بنی غم کی، دلہن بن کے سراپا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا

میر انیس کے مرثیے کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے کردار زندگی کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ ان کے کرداروں میں ہندوستانی تہذیب کے نمونے ملتے ہیں۔ یہی ان کے جمالیاتی احساس کے جوہر ہیں۔ یہ احساس ان کرداروں کی زمانی اور مکانی دوری اور اجنبیت کو مٹا دیتا ہے اور یہ کردار ہمیں جیتے جاگتے محسوس ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقی قوت سے کرداروں کے نقوش کو زندگی کے اتار چڑھاؤ سے گزار کر ان کی انسانی اور حقیقی خصوصیات کا احساس دلایا۔ میر انیس انسانی نفسیات کو بھی خوب سمجھتے ہیں:

Anis is a master of human psychology, though he wrote a time when psychology was yet to get organised into a regular branch of knowledge. This character includes the saintly imam, the slaves, the soldiers, the young, even a baby, men, women, children friends and foes, father, mother, son, brother, sister, uncle, nephew, widows, the newly weds, the leader and his followers.(۷)

ان کرداروں کے کئی جگہوں پر خصائل میں مماثلت کے باوجود زبردست فرق ہے اور اسی فرق کو مسلسل ملحوظ خاطر رکھنا مرثیہ نگاری میں کردار نگاری کو مضبوط بناتا ہے۔ دراصل میر انیس کے کرداروں میں جو

جمالیاتی عناصر ہیں ان کی بدولت انیس کے مرثیے میں رقت آمیزی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ ان کے کرداروں کے جاندار ہونے کا سب سے بڑا سبب ان کا جمالیاتی رچاؤ ہے۔ ان کے نزدیک حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھی الوہی شان رکھتے ہیں۔

انیس نے انسانی ذہن کی مختلف کیفیات کی مرقع کشی کی ہے اور کردار کی مکمل شخصیت کو پیش کیا ہے۔ مختلف کرداروں کا سراپا، گھوڑوں کی تعریفیں، تلوار کے اوصاف، صبح شام کے مناظر اور حالات جنگ کی تصویر کشی کر کے جس حسن وخوبی کے ساتھ برتا ہے، وہ خاص ان کی جمالیات کا حصہ ہے۔ ان کے کرداروں کے سراپے گلزار سخن میں کھلے ہوئے وہ پھول ہیں جن کی خوشبو سے پورا چمن مہک اٹھتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی ذات گرامی اسلامی تاریخ میں حق وصداقت، عزم واستقلال، جرات وشجاعت، ایثار وقربانی، عشق ووفا، اطاعت الٰہی اور صبر ورضا کی بہترین مثال ہے جو ایک منفرد مقام اور تاریخ ساز حیثیت کی حامل ہے۔ اسی لیے انیس کے کرداروں میں ہمیں بلند ہمتی اور اولالعزمی جیسی اعلیٰ صفات دکھائی دیتی ہیں۔ کردار نگاری کے ساتھ ساتھ انیس واقعات نگاری میں بے مثال ہیں۔ چونکہ ہر واقعہ کا تعلق زندگی کے کسی مخصوص پہلو سے ہوتا ہے، اسی لیے شاعر واقعہ نگاری میں ایک مخصوص پہلو، نقطہ نظر، ماحول یا فضا کو نمایاں کرتا ہے۔ البتہ مواد کی ترتیب میں دیگر اصناف سخن، مرثیہ میں زیادہ احتیاط اور فن کاری سے کام لینا پڑتا ہے تاکہ مناسب فضا کی تشکیل ہو سکے۔ انتشار کا خدشہ باقی نہ رہے اور آخر تک حسن واعتدال کی کیفیت قائم رہے۔ میر انیس کے جمالیاتی اسلوب کی یہی خوبی ہے کہ:

> "انھوں نے اپنے مراثی میں کربلا کے پورے واقعے کو ایک ایسے ثقافتی فریم میں پیش کیا ہے، جو برصغیر کے سماجی و مجلسی حالات سے بنا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تمام مرثیہ گو شعرا، خاص طور پر میر انیس برصغیر کی اس ثقافت کے بہت بڑے امین اور مبلغ ہیں۔"(۸)

میر انیس کا کلام بلیغ ہے۔ مگر یہ ان کے کلام کا اصل معیار نہیں ہے۔ ان کے کلام کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت میں آشکار ہوتا ہے۔ انھوں نے بلاغت کی معمولی جزئیات کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے برتا۔ حسن وجمال اس وقت ہی نکھر کر سامنے آتا ہے جب وہ صدق واخلاق کی تحصیل وتکمیل کرتا ہے۔ میر انیس کے مرثیوں میں فن بلاغت اور علم الاخلاق کی تکمیل بدرجہ اتم موجود ہے۔

مرثیہ کو تحت اللفظ پڑھنے کا جو طریقہ پہلے رائج تھا وہ تمثیل سے بہت ملتا ہے۔ چشم وآبرو کے اشارے سے مرثیہ خواں ان تمام کیفیات کو بیان کر دیتا ہے جو ایک اداکار کل اعضاء کی مدد سے کرتا ہے۔ انیس کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے حضرت امام حسین اور ان کے رفقائے کار کی مدح میں اور گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں جو بند بھی کہے ان کے ساتھ اردو زبان کے بہترین قصائد کا بھی موازنہ نہیں۔ انیس کی واقعہ نگاری نہایت عظیم الشان اور نازک وروشن ہے۔ جب وہ تلوار چلنے کے مناظر بیان کرتے ہیں تو ابتدا ہی سے اس پر سنہری پردہ ڈال دیتے ہیں اور پھر قاری کو وہ تلوار کے بجائے ناگن یا محبوب دکھائی دیتی ہے۔

ان کے ہاں واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایاں رہتا ہے۔ مثلاً تلوار کی کاٹ اور اس کی تعریف پر ایک بند ملاحظہ ہو:

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی
تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دم بہ دم وہی
رنگت زمردی وہی، پانی میں سم وہی

حقیقی واقعات میں تجسس شاعر کی قوت متخیلہ کو بیان کرتے ہیں۔ انیس کے مرثیے جمالیاتی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ اہل بیت کے فضائل سے لے کر سرزمین کربلا تک جمالیاتی عناصر کا خوب رچاؤ ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے مرثیوں میں "حر" اور "شمر" کے واقعات کو بھی نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ یوں تو ان کے تمام مرثیے کسی نہ کسی واقعہ کے گرد گھومتے ہیں مگر ایک بات قابل غور ہے کہ کربلا کا عظیم سانحہ جو کہ چند گھنٹوں کے اندر وقوع پذیر ہوا تھا، انیس نے کس کس طرح دکھایا ہے، اس میں کتنی باریکی اور موشگافی ہے۔ اس کے باوجود ان کا کلام واقعہ نگاری کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ انھوں نے حقیقت اور تخیل کو بڑے متوازن انداز میں سمویا ہے ان کے ہاں جذبات کی شدت بھی ہے اور جذبات پر گہری نظر بھی، وہ فطرت انسانی اور جذبات کا پورا ادراک رکھتے ہیں۔ یہی وہ احساسات ہیں جن سے میر انیس کی جمالیاتی حس نمو پاتی ہے اور پھر وہ اس میں اپنی صناعی اور فنکاری سے رنگ بھرتے ہیں۔

شعر وادب میں جذبات کی اہمیت مسلم ہے۔ شاعری میں جذبات کی عکاسی کا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ مرد، عورت، بوڑھا، بچہ، غلام، لونڈی یا جوان جس کے بھی جذبات بیان کیے جائیں وہ اس کے حفظ ماتقدم اور ماحول اور

مناسبت سے مطابقت رکھتے ہوں۔ جذبات سادہ بھی ہوتے ہیں اور پیچیدہ بھی۔ جب شاعر انسانی فطرت کا نباض ہو اور انسانی جذبات کی سچائیوں، پیچیدگیوں اور گہرائیوں کا پورا احساس رکھتا ہو تو پھر جذبات نگاری کا مرحلہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میر انیس کو انسانی جذبات کی عکاسی کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی ان کی قادر الکلامی پرت در پرت ہر قسم کے جذبات کو بیان کر دیتی ہے۔

"میر انیس کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت جو ان کو تمام شعرا سے ممتاز کرتی ہے، جذبات نگاری ہے۔ میر انیس کے ہاں جذبات نگاری کے ایسے نمونے ملتے ہیں جن کی مثال اردو میں تو کیا دوسری زبانوں میں ملنا بھی دشوار ہے۔ مثلاً حضرت حسینؓ کی صاحبزادی صغریٰؓ بیمار ہیں، امام محترم ان کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ بہ ضد ہیں، اس وقت میر صاحب حضرت صغریٰؓ کی زبان سے کہلواتے ہیں:

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں حسین کا" (۹)

انیس جذبات نگاری کے فن میں لاثانی ہیں۔ انھوں نے انسانی نفسیات کو سمجھ کر ہی شاعری کی۔ جذبات نگاری، مرقع کشی اور انفرادی کشمکش کے مناظر ان کی شاعری میں روح پھونک دیتے ہیں۔ میر انیس کے مرثیے کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری آپس میں مربوط نظر آتے ہیں۔ جس سے ان کے مرثیے میں تنوع اور بوقلمونی کا پہلو نمایاں ہے۔ وہ جذبات کو الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں جیسے کردار اپنی خود نوشت بیان کر رہے ہوں۔ الفاظ جب جذبات اور احساسات کی مکمل عکاسی کریں تو مصرعوں میں جان پیدا ہوتی ہے۔ میر انیس ایک کا ایک مصرع حقیقت سے قریب تر ہے۔ کیونکہ ایک ایک لفظ سے درد و غم اور سوز کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ انھوں نے شہدائے کربلا کی صعوبتوں کو بیان کرتے ہوئے جو درد انگیزی پیدا کی ہے اس سے پڑھنے والے پر بھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ ایک کردار اور ایک واقعہ کو مختلف جذباتی کیفیات سے گزارتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حسن اختر لکھتے ہیں:

> میر انیس نے اپنے مرثیوں میں کرداروں کو مختلف طرح کی صورتحال سے دوچار کیا ہے اور کبھی ایک ہی کردار کو مختلف جذباتی کیفیتوں سے گزرتے ہوئے دکھایا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت زینبؓ کا کردار پیش کیا جا سکتا ہے جو حضرت امام حسینؓ کی بہن ہیں اور عون و محمد کی ماں ہیں اور وہ ماموں پر قربان ہوئے جاتے ہیں۔ وہ علی اکبرؓ کی پھوپھی

تھیں اور انھوں نے ان کو پالا ہے اور آخر میں لٹے ہوئے قافلے کی سردار ہیں۔ انیس نے ان تمام جذباتی لمحوں کا ذکر بڑی عمدگی سے کیا ہے کہ یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا بیان زیادہ متاثر ہے۔[۱۰]

اگرچہ بعض نقادوں نے میر انیس کی نفسیاتی غلطیوں پر بھی توجہ دلائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض جگہ میر انیس جذبات کی رو میں بہہ گئے ہیں اور ایسے ایسے مصرعے کہہ جاتے ہیں کہ جن کی نوعیت غیر فطری ہے۔ اس کے باوجود ان کے مرثیے اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جذبات نگاری کی بہترین عکاسی میر انیس نے جس کامیابی سے کی، کوئی دوسرا شاعر ان کے اس فن تک نہیں پہنچ پایا۔ خیال اور لفظ کا حسین امتزاج انیس کی شاعری کا ایک بڑا جزو ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات کے بے کراں سمندر کو جس طرح الفاظ کے سانچے میں ڈھالا ہے، یہ ان کا ہی جمالیاتی فن ہے۔ جب وہ اپنے مرثیے میں سوز اور کرب کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو دلوں کو تڑپا دیتے ہیں اور آنکھوں کو نم کر دیتے ہیں۔ ایسی جذبات کشی سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کرداروں کے نہیں خود ہمارے جذبات بیان کر رہا ہے۔

میر انیس کے مرثیوں میں منظر نگاری کا عنصر بھی قابل ستائش ہے۔ ان کی منظر نگاری میں جمالیاتی رچاؤ سے یہ احساس ہوتا ہے کہ فطرت انیس کی روح میں حلول کر گئی ہے۔ اور اتنا جمالیاتی تاثر چھوڑ دیا ہے کہ انیس خود مناظر کا ایک حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کے کلام میں ہمہ قسم کی تصویریں ملتی ہیں۔ کافی تعداد ان تصویروں کی ہے جو ادراک کی گرفت میں آتی ہیں۔ جن میں جزئیات نگاری حقیقت سے قریب تر ہوتی ہے۔ جیسے جنگل میں پرندوں کا چھپنا، شیروں کا کچھار میں پڑے رہنا اور آہو کا سبزہ زار سے منہ نہ نکالنا وغیرہ۔ ایسے مناظر کی مصوری سے کربلا کے میدان کی تپش نہ صرف کھل کر سامنے آجاتی ہے بلکہ قاری اسے محسوس کرنے لگتا ہے۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

انیس کو مناظر قدرت کی ہو بہو تصویر کھینچنے میں کمال حاصل تھا۔ اس قسم کے بیانات مرثیہ کے غیر متعلق نہیں ہوتے بلکہ اصل مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی بالذات ایک مکمل چیز ہے۔ جو مرثیہ سے بے تکلف علیحدہ علیحدہ نہیں کیے جاسکتے۔ پورا مرثیہ ایک ایسا مرقع معلوم ہوتا ہے جس میں صدہا خوب صورت مکمل تصویریں چسپاں ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں مگر پھر بھی مجموعی حیثیت سے اسی کل کے تحت میں سب آئی ہیں۔ مثلاً صبح کا سماں، طلوع آفتاب، نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے، شام کا سہانا وقت، چاندنی کا لطف یا تاریکی کا بھیانک منظر، باغ میں پھولوں کا کھلنا اور مہکنا اور سبزہ کی بہار وغیرہ وغیرہ الگ الگ چیزیں ہیں مگر سب مرثیہ کے جزو ضروری ہیں۔[۱۱]

ایک مرثیہ کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں:

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگ گل پہ قطرہ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

میر انیس اپنی شاعری میں صنعتوں کا استعمال نہایت خوبصورتی سے کرتے ہیں مگر وہ صنعتوں کو زیادہ نمایاں نہیں ہونے دیتے کہ وہ معانی و مفاہیم سے اوپر ابھر جائیں۔ چنانچہ ناقدین کی نظر ان کے مرثیوں میں صنعتوں کی طرف خال خال ہی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں انیس کے جمالیاتی اسلوب کا رنگ اتنا گہرا ہے کہ اس سے شاعری کے وہ تمام جزئیات اور محاسن نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ جو صنائع سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ علم بیان کی روشنی میں صنائع کا مقصود یہ ہے کہ ان کے ذریعے حسن کی تخلیق دریافت کی جاسکے۔ تشبیہات واستعارات حسن کلام کا اصل زیور ہے۔ میر انیس نے تشبیہات واستعارات کا استعمال جس طرح اپنی شاعری میں کیا ہے، اردو میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کی تشبیہات بے مثال ہیں۔ وہ اپنے خوبصورت اسلوب بیان سے جمال بکھیرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ پر برچھیاں چلنے کا منظر یوں بیان کرتے ہیں:

یوں برچھیاں تھیں چاروں طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نور عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغ حسین پر

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر صاحب نے تشبیہ میں کیا کیا لطافتیں اور جمالیاتی نزاکتیں پیدا کی ہیں۔ ان کے کلام میں وہ حسن پایا جاتا ہے جو قاری یا سامع کو شاعر کے ذہن کے قریب کر دیتا ہے۔ انیس کے مرثیوں کا کوئی بھی بند اٹھا کے دیکھ لیں، اس میں ایک ایک مصرعے میں کئی کئی صنعتیں موجود ملیں گی۔ صنعتوں کے استعمال میں وہ

اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کا اصل کمال تو اس سادگی میں ظاہر ہوتا ہے جس پر ہزار صنعتیں نثار ہیں۔ ان کا کلام جتنا فصیح ہے اتنا بلیغ بھی ہے۔ ان کے مراثی میں صنعتوں سے کلام میں تصنع اور ریاکاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ حسن بیان میں اضافہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر طبیعت میں روانی ہو تو پھر صنعتوں، قوافی، ردائف، اور عروض کا کوئی بھی نظام غیر فطری اور غیر حقیقی محسوس نہیں ہوتا۔

میر انیس کی طبیعت میں بلا کی روانی تھی۔ ان کے مرثیوں میں جو غنائیت اور تغزل پایا جاتا ہے یہ انیس کی سرشت کا ہی خاصہ ہے۔ انھوں نے صنائع و بدائع کے استعمال سے شعر کو غیر فطری نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ذہن رسا اور کمال فن وہ چیز ہے کہ ناقص سے ناقص زمین کو بھی آسمان کی وسعتوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کے کلام میں صنعتوں کے بے جا استعمال کے باوجود کلام کی سادگی و سلاست میں کوئی کمی نہیں آتی اور ان کے کلام کی روانی، مضمون آفرینی و حسن آفرینی برابر قائم رہتی ہے۔ ان کی شاعرانہ چابکدستی، درد انگیزی، لطافت بیان، روانی و سلاست اور جمال آفرینی اردو شعر و ادب کا مثالی نمونہ ہے۔ احراز نقوی لکھتے ہیں:

> "انیس کی تمنا ایک خاص شاعرانہ تصویر پر مبنی تھی جو ان کے ذہن کی بالیدگی کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نام و نمود کے لیے برتری نہیں چاہتے تھے وہ وقتی شہرت سے بھی آسودہ نہ تھے وہ شاعری کو معانی و مطالب سے، زبان و بیان سے، ژرف نگاہی سے غرض کہ بہترین حسن سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں چاہتے تھے جس سے ان کی انفرادیت اور بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس فن شریف کو کس قدر صحیح سمجھتے ہیں۔"(۱۲)

کوئی صحیح المذاق اور صاحب علم شخص انیس کا کوئی مرثیہ بھی پڑھ لے تو خود بخود کلام اس کی سمجھ میں آنے لگ جاتا ہے۔ انیس کے کلام میں فصاحت و بلاغت کا عنصر اس قدر نمایاں ہے کہ ان کا کوئی مخالف بھی اب تک اس سے منکر نہیں۔ وہ دقیق اور نازک احساسات اور خیالات کو انتہائی آسان اور عام فہم الفاظ میں ادا کر دیتے ہیں۔

آئے جدھر، خدا کا غضب آ گیا ادھر
پلٹے جدھر، رعب علی چھا گیا ادھر
جھپٹے جدھر، شکست عدو پا گیا ادھر
ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا ادھر

انساں تو کیا شیروں کے زہرے بھی آب ہیں
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

میر انیس صاحب طرز، صاحب اسلوب اور قادر الکلام شاعر اور مرثیہ نگار ہیں۔ان کی قدرت بیانی کے آگے کوئی بھی شے حائل نہیں ہوئی۔ کیا قافیہ، کیا ردیف، کیا زمین، کیا بحر، کیا تمثیل، کیا صنائع وبدائع، کیا تشبیہ واستعارہ سب کچھ ان کے احساس میں ڈھلتا اور اسلوب میں نکھرتا چلا جاتا ہے۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ہی الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی آواز، ربط باہمی اور متعلقات معنوی سے اس خیال کی کامل ترجمانی کرتے ہیں اور سامع کے دل میں اپنی مرضی کے مطابق کیفیات پیدا کرتے ہیں۔ گویا ان کا اسلوب ان کے دل کی ترجمانی کرتا ہے۔

نمک خواں تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری
دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

صنعتوں کا بے جا استعمال بھی شاعری کی دقت شہرت کا موجب بنتا ہے۔ صنعتوں کے استعمال میں بھی میر انیس کا کلام سادگی و سلاست اور روانی کا بے مثال نمونہ ہے۔ الفاظ کتنے ہی پر تکلف و پر تصنع نہ ہوں۔ میر انیس کی شاعری جذبات واحساسات کو چھو کر گزرتی ہے۔ ان کے مراثی کے کسی ٹکڑے، کسی بند اور کسی مصرعے کو بھی دیکھ لیں، ان میں تاثرات اور جمالیات کی وہ ہم آہنگی ملے گی جو قدرتی شاعر ہی پیدا کر سکتا ہے۔ میر انیس نے جہاں مرثیے کے مضامین اور خدوخال میں تنوع پیدا کیا ہے وہیں اس کے اثر کا دائرہ بھی بہت وسیع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ذاتی مزاج، جمالیاتی احساس، شاعرانہ غرور اور موضوع کے تقدس کو یکجا کر کے عوام اور خواص دونوں سے بیک وقت تعریف و تحسین حاصل کی جو بمشکل ہی کسی شاعر کا مقدر بنتی ہے۔ سادگی وسلاست، برجستگی وروانی اور قادر الکلامی انیس کے مرثیوں کی وہ جمالیاتی جہات ہیں جو ان کے معاصرین کے ہاں ناپید ہیں۔ انھوں نے اپنے مخصوص جمالیاتی احساس سے نہ صرف مرثیہ میں تنوع پیدا کیا بلکہ مرثیہ کی زبان کو بھی وسعت دی۔ ہزاروں

الفاظ اور محاورات جو اہل زبان کی بول چال میں آتے تھے، انہیں خوش سلیقگی سے برتا کہ وہ شاعری کی زبان کا جزو بن گئے۔ المختصر انیس کا کلام ہر شخص کو ہی متاثر کرتا ہے۔ خواہ وہ عالم ہو یا عام عقیدت مند ہو یا غیر عقیدت مند۔ دبیرؔ نے مرثیہ کو کلاسیکی استحکام دیا اور انیس نے اسے جدیدیت سے روشناس کرایا اور ان کے کلام کا اصلی جوہر بندش کی چستی، ترکیب کی دل آویزی، الفاظ کا تناسب اور برجستگی ہے اور یہی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کے جمالیاتی اسلوب نے مرثیوں میں جو تغزل کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی سے اقلیم سخن میں میر انیس کا فن زندہ ہے اور جمال اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو رباعی، مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ، لاہور، اشاعت چہارم، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴

۲۔ اے حمید: اردو شعر کی داستان، مطبوعہ شیخ غلام علی: انار کلی چوک، لاہور س ن، ص ۵

۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، میر انیس حیات اور شاعری، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۳۴

۴۔ سید عابد علی عابد، اصول انتقاد ادبیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۲

۵۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ابلاغ لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰۰

۶۔ گوپی چند نارنگ، نیا اردو افسانہ (انتخاب، تجزیے اور مباحث)، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۴

۷۔ Ali Jawad Zaidi, Mir Anis Sahitya Akademi, 2001, P69

۸۔ عالیہ امام، ڈاکٹر، صبح کی مانند تیر انام، شوکت آرٹ پریس، راولپنڈی، ص ۱۷۱

۹۔ محمد جمیل احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۴۹

۱۰۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ابلاغ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۳۰۱

۱۱۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، غضنفر اکیڈمی لاہور، پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۵

۱۲۔ احراز نقوی، ڈاکٹر، انیس۔۔۔ ایک مطالعہ، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۷۰